فصل اول
ورلڈ فیملی پالیسی فورم

اقوام متحدہ کے خصوصی اجلاس برائے عالم نسواں بیجنگ پلس فائیو کے انعقاد کے بعد برگھم ینگ یونیورسٹی (Brigham Young University Provo, Utah. U.S.A) میں (جوکہ امریکہ کی پرائیویٹ یونیورسٹیوں میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے) 10 تا 12 جولائی 2000ء کو ایک فیملی پالیسی فورم کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں اُن لوگوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی جنہوں نے اقوام متحدہ کے اس خصوصی اجلاس میں خاندان کے فطری ادارے کو بچانے کے لیے سرگرم کردار ادا کیا تھا' جو جون 2000ء میں منعقد ہوا تھا۔

مجھے اس یونیورسٹی میں جا کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ خاندان کے موضوع پر ایک بڑا شعبہ کام کر رہا تھا اور اس بات کا افسوس بھی کہ ہم اپنی جامعات میں مغرب کی نقالی میں ویمن اسٹڈیز کے ڈیپارٹمنٹ تو کھولتے جا رہے ہیں مگر مغرب میں جو نظام زمین بوس ہو چکا ہے اور وہ اب سر جوڑے غور وفکر میں مصروف ہیں کہ کس طرح سے اپنے خاندانی نظام کو بچایا جائے۔

ہمارے ہاں یہ مورچہ اب تک **الحمدللہ** کسی حد تک محفوظ ہے' لیکن اگر ہم نے اس چمن کی فکر نہ کی تو آشیاں خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ ہمارا خاندانی نظام بھی اب اُن خطرات کا شکار ہے جو مغرب کو لاحق ہیں۔ ہم اپنی جامعات میں اُس کے بارے میں پہلوتہی کر رہے ہیں۔

اس عالمی کانفرنس کو منعقد کرنے کا سہرا پروفیسر رچرڈ جی ولکنز کے سر تھا' جو اس ورلڈ فیملی پالیسی فورم کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی تھے اور اس کے ساتھ پروفیسر آف لا کا اعزاز بھی رکھتے تھے۔ وہ اس کانفرنس کے منتظم اعلیٰ اور میزبان تھے۔ اُن کے ساتھ اس کانفرنس کے مختلف سیشنز اور مختلف مواقع پر خاندان کے ادارے پر علمی گفتگو ہوتی رہی۔ وہ میری دعوت پر پاکستان بھی آئے اور یہاں مختلف جامعات میں لیکچرز دیے۔ اس کانفرنس کے موقع پر میرے ساتھ محترم ہمایوں احسان صاحب، اُن کی اہلیہ عائشہ اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی محترمہ امینہ صاحبہ بھی شریک تھیں اور ہم سب نے مل کر پاکستان کی نمائندگی کی۔ بیرسٹر فاروق حسن بھی اس فورم کے پرانے شرکا میں سے تھے۔ جن کی خدمات کے وہاں پر لوگ معترف تھے۔

اس فورم میں دنیا بھر میں خاندان کے موضوع پر تحقیقی اور علمی کام کرنے والے افراد کی ایک کثیر تعداد موجود تھی اور اُن کے پرمغز مقالے اس کانفرنس کی جان تھے۔ وہاں پر موجود بیشتر افراد نے اپنے مقالے دیے جن کو میں نے اب تک مختلف فورمز پر پیش کیا ہے۔ میں اپنے تحقیقی مقالے میں اُن کا اردو ترجمہ اور تلخیص پیش کر رہی ہوں جو کہ یقیناً اردو میں پہلی بار شائع ہو رہے ہیں، جو ہمارے معاشرے میں خاندان کے ادارے کے استحکام کا موجب بھی ہوگا۔

اس کے ساتھ میں یہ بھی اُمید رکھتی ہوں کہ خاندان کا موضوع ہمارے مراکز فہم و دانش میں بھی وہی مقام حاصل کرے گا جو کہ مغرب میں خاندان کے بکھرنے کے بعد حاصل کر چکا ہے اور اُن کے اہل علم سوچ بچار میں مشغول ہیں کہ ہم اس بکھرے ہوئے نظام کو کیسے سمیٹیں۔ قبل اس کے کہ ہمارے پاس بھی ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہ رہے' ہمیں بھی اس طرف توجہ

کرنی چاہیے۔ ہمارے پاس کائنات کا بہترین نظام زندگی موجود ہے جو کہ عین فطرت کے مطابق ہے اور اس کا اظہار مختلف فورمز پر مختلف مذاہب کے ماننے والے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام اب بھی بہت مضبوط ہے۔

اس سفر میں پیاری امی جان بھی میرے ہمراہ تھیں اور کانفرنس کی منتظمین نے اُن کو بہت زیادہ پروٹوکول سے نوازا کہ یہ وہ خاتون ہیں جو صرف اپنے دین اور خاندان کی روایات کی خاطر اپنی بیٹی کے ہمراہ ہیں۔ کانفرنس کے منتظمین ہر جگہ پر ان کی نشست سب سے پہلے اور نمایاں جگہ پر مختص کرتے اور کہتے کہ ہم لوگ جس موضوع اور جن روایتوں کو مضبوط کرنے کے لیے بحث ومباحثہ اور باتیں اور گفتگوئیں کررہے ہیں، یہ خاتون اس پر عمل کا ثبوت پیش کررہی ہیں کہ انہیں اس کانفرنس میں اور کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ صرف اپنی بیٹی کا ساتھ دینے کے لیے اتنی مشقت، اتنا سفر اور اتنا ذاتی خرچ کررہی ہیں۔ میں نے امی کی نگرانی میں اس کانفرنس سے بہت کچھ سیکھا۔

فیملی پالیسی فورم ہی کیوں؟

برگھم ینگ یونی ورسٹی کی ڈائریکٹر کھیتر ائن بالمفورتھ جو کہ ہمارے ساتھ B+5 کانفرنس میں خاندان کے تحفظ کے لیے دیوانہ وار کام کررہی تھی نے اپنے استقبالیہ کلمات سے اس کانفرنس کا آغاز کیا اور کہا کہ خاندان کے حوالے سے بہت سے کام ہوئے ہیں۔ ہم آپ کی کوششوں کے بہت شکر گزار ہیں۔ اس عالمی خاندانی پالیسی فورم کو منعقد کروانے کا ہمارا مقصد آپ کو اپنی خاندان کے تحفظ کے لیے کوششوں کے لیے اپنا ساتھ اور حوصلہ فراہم کرنا ہے تا کہ خاندان کو درپیش خطرے اور مسائل اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے پاس موجود خاندان کو خطرات سے بچانے کے لیے تمام ذرائع کی آگاہی موجود ہو۔

انہوں نے کہا کہ میں یہاں پر خاص طور پر بیجنگ 5+ کی بحث کا ذکر کروں گی جو ابھی ایک ماہ پہلے ختم ہوئی ہے۔ مغربی ممالک خاص طور پر امریکی حکومت ایک انتہائی گھٹیا ایجنڈا پھیلا رہی ہے جو کہ ''جنسی حقوق'' خاص طور پر بچوں کے لیے جنسی حقوق کا پرچار کرنا ہے۔ مغربی حکومتیں خاندان کی بنیاد کو ہلانے اور اس کے نتیجے میں معاشرتی طور پر مضبوط اور پائیدار بنانے والے عوامل کو کمزور کررہی ہیں۔

یہ ایک جیسے خیالات رکھنے والے ممالک کا ایک منظّم گروہ تھا جو مغرب کے خلاف کھڑا ہوا۔ آپ میں سے بہت سے ان کوششوں میں ناقابل یقین کام کر گئے۔ جیسے جیسے یہ بحث زور پکڑتی گئی، ایک جیسے خیالات رکھنے والے ممالک مضبوط ہوتے گئے اور مغربی حکومت کے اس تباہ کن ایجنڈے کو ناکام کردیا۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اس مغربی ایجنڈے کو شکست دے کر نہ صرف اپنے لیے فتح حاصل کی بلکہ زیادہ تر انہی مغربی ممالک اور ان کے خاندانوں کے لیے بھی جن کو علم ہی نہیں ہے کہ ان کی حکومتیں اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر کیا کیا منصوبے بنا رہی ہیں۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو میں بتانا چاہتی ہوں۔

انہوں نے اپنی گفتگو میں اس بات کا انکشاف کیا کہ پچھلے سال ورلڈ فیملی پالیسی سنٹر اور ہاورڈ سنٹر فار فیملی، ریلیجن اور سوسائٹی نے خاندان کے بارے میں لوگوں کے رویوں کا ایک عالمی سروے کیا۔[1] اس سروے نے ہمارے شک کو یقین

۱۔ Worhtline Worldwide Survey,, Attutude about the family" 1199. World family policy center and howard center for family religion and society.

میں بدل دیا۔ دنیا کے تمام ممالک میں حتیٰ کہ مغرب میں بھی لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس بات پر آمادہ تھی کہ:

☆ ایک خاندان جو کہ ایک قانونی شادی کے ذریعے وجود میں آتا ہے وہی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔

☆ شادی ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہونی چاہیے نہ کہ دو ایسے افراد کے' جو ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں

☆ بچے پیدا کرنا اور اُنہیں پالنا بہت اہم ہے۔

☆ وہ بچے جو کہ آپس میں شادی کرنے والے ماں باپ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں' زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

کھیترائن بالمفورتھ نے مزید کہا کہ اس سروے کی کاپی جو کہ Worthlin Worldwide کی طرف سے دی گئی ہے آپ کو مل سکتی ہیں۔ میں نے اس سروے کا ذکر دو وجوہات کی بنا پر کیا ہے۔ پہلی، یہ کہ خاندان کے خلاف مغربی NGOs جو کہ اقوام متحدہ میں ہیں، تمام مغربی افراد کی نمائندہ نہیں ہوتیں۔

مثال کے طور پر بہت سے امریکی اقوام متحدہ کی سرگرمیوں سے بالکل لاعلم ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم اس کے ٹیکس ادا کرتے ہیں اور جو کچھ وہاں ہوتا ہے وہ ہمیں براہِ راست متاثر نہیں کرتا۔ تاہم آخری 20 سالوں میں امریکیوں کی ایک بڑی تعداد نے اقوام متحدہ کو جانا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر گروہ خواتین کے مخصوص حقوق اور ہم جنس پرستی کا پرچار کرتے ہیں جو کہ عام طور پر دوسروں کے مقابلے میں کم حمایت حاصل کرتے ہیں اور یہ امریکی مخصوص ذہن سے اتنی دور ہیں کہ یہ نہ تو عدالتوں میں اور نہ جمہوری عمل میں ہی کچھ کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

امریکہ کی سب سے زیادہ شور مچانے والی خواتین کی تنظیمات کی بہت کم ممبر شپ ہے۔ کیونکہ قانونی برابری اور خواتین کے لیے ذرائع کی جنگ پہلے ہی امریکہ میں جیتی جا چکی ہے۔ خواتین کے یہ گروہ اب تیزی سے حدود سے باہر نکل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر NOW کی تنظیم میں زیادہ تر ممبرز کی تعداد لزبین ہے۔ اس لیے یہ تنظیم زیادہ تر امریکی خواتین سے بالکل لاتعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ میڈیا کی توجہ بھی حاصل نہیں کر پاتیں۔ میں یقین رکھتی ہوں کہ ایسا ہی کنیڈین تنظیمات کے بارے میں بھی رویہ ہوگا۔

اس طرح کے انتہا پسند گروہوں نے جان لیا ہے کہ اقوام متحدہ پر ان کا بہت اثر ہوسکتا ہے۔ ان گروہوں کے نظریات کی امریکہ کی عام سوچ کی طرف سے نفی کی جاتی رہی ہے اور یہ خود ہی ایسا منظر پیش کرتے ہیں جیسے وہ تمام امریکیوں کی آواز ہیں۔ باوجود اس کے کہ بہت سے امریکی اس کے بارے میں جانتے تک نہیں' یہ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ عالمی قانون پر اثر انداز ہوسکیں تا کہ اپنی سوچ کو منوانے اور اپنے ملک میں طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

اقوام متحدہ کی موجودہ مغربی این جی اوز ان اقدار پر ناجائز دباؤ ڈالتی ہیں جو ایک خاندان کو مضبوط رکھتے ہیں اور خاندان کے موضوع پر چلائی جانے والی NGOs کو بند کردینا چاہتے ہیں۔ آپ جو کہ ایک خاندان کے لیے اکثریتی دنیا کے نظریات کی نمائندگی کرتے ہیں، آپ تنہائی محسوس کرسکتے ہیں۔ آپ خاندان کو اہمیت دینے کے حوالے سے بالکل درست ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپ کے ساتھ ہے نہ کہ مغربی حکومتیں اور NGOs جو کہ خاندان پر حملہ کررہی ہیں۔

اس رویے کا ایک اہم ثبوت اقوامِ متحدہ کے زیر اہتمام 1996ء میں منعقدہ Istanbul Habitat Confrence میں دیکھا گیا۔ اس بحث کے اختتام پر امریکی وفد نے ''خاندان کے مختلف افراد'' کے لیے برابر حقوق کی بات کی یہاں تک کے ہم جنس پرست جوڑوں کی بھی۔ 1996ء میں اسی ہفتے صدر کلنٹن کی واپسی ڈیفنس آف میرج ایکٹ کے گن گاتے ہوئے ہوئی' جس نے امریکیوں کو ہم جنس پرستی کی شادیوں سے بچائے رکھا۔ امریکی وفد کو پھر بھی یقین تھا کہ اس سے ہم جنس پرست خاندانوں کے بارے میں استنبول کی منعقدہ کانفرنس کی کوئی ناکامی نہیں ہوگی۔ایک طرف وہ ہم جنس پرست شادیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور دوسری طرف اقوام متحدہ میں ایک بالکل متضاد حالت میں ہیں۔

کھیتر ائن بالمفورتھ نے مزید کہا کہ اسی وجہ سے میں جانتی ہوں آخر کار اقوام متحدہ جنسی حقوق کے بارے میں بیجنگ میں حالیہ بیجنگ 5+ کانفرنس سے پیچھے ہٹ گئی ہے۔ جب کلنٹن حکومت نے یہ جان لیا کہ کانگریس کے ممبران اس حالت پرغور کررہے ہیں وہ اپنے مؤقف سے ہٹنے لگے۔ ان متنازعہ غیر خاندانی نکات پر میں یقین رکھتی ہوں کہ بہت سے مغربی ممالک کی حکومتیں جانتی ہیں کہ ان کے عوام اِس سے متفق نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ان کی حکومتیں اقوام متحدہ میں کیا کام کررہی ہیں۔ ساتھ ہی وہ حکومتیں جانتی ہیں کہ وہ ان معاملات میں اپنے عوام کی حمایت حاصل نہیں کرسکتے کیونکہ ان کا مؤقف مضبوط نہیں۔

انہوں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ دوسری بات جو میں کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ خاندان کے حوالے سے Worthlin سروے میں دنیا کے لوگوں کے نظریات اور احساسات جدید تحقیق کے ذریعے اُجاگر کیے گئے۔ یہاں اس فورم پر ہمارے پاس بہت سے عظیم سکالرز مختلف جگہوں سے آئے جو کہ خاندان کے بارے میں ایک صحت مند معاشرے کے قیام کے لیے جدو جہد کررہے ہیں۔ آپ ان سکالرز کو دنیا کی چند اچھی جامعات میں پائیں گے لیکن ہم آپ کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ برگھم ینگ یونی ورسٹی اقوامِ متحدہ کے سب سے بڑے خاندان کی حمایت کے شعبے کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ یونی ورسٹی چرچ کو بھی سپانسر کررہی ہے اس لیے خاندان کے تحفظ کے لیے مکمل طور پر ساتھ دیتی ہے۔ یہ ایک سائنس ڈیپارٹمنٹ ہے جو کہ کوئی جھوٹی سائنس نہیں کہلاتی، تاکہ صرف سیاسی طور پر صحیح طریقے سے خاندان کے خلاف ایجنڈے پر کام نہ ہو۔ہم اُمید رکھتے ہیں کہ آپ اس جامعہ کو ثقافتی اورنظریاتی جنگوں میں ایک ذریعہ پائیں گے۔ جن سے آپ لڑ رہے ہوں گے اقوامِ متحدہ اور اپنے آبائی جگہوں پر یہ آپ کو مدد فراہم کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ یہ بات یاد رکھیے کہ مغربی حکومتوں کی طرف سے خاندان کے خلاف پھیلایا جانے والا ایجنڈا کہیں بھی کامیابی سے مانا نہیں جاتا۔ یہ مکمل طور پر نظریاتی ہے اس ثقافتی جنگ میں تمام تر بوجھ آپ پر ہے نہ کہ مغربی حکومتوں اور NGOs پر۔

کھیتر ائن بالمفورتھ نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ کو مکمل طور پر آگاہ کرنا ہے جس سے آپ شاید واقف نہیں ہیں وہ یہ کہ مختلف نئی مغربی افکار خاموشی سے آہستہ آہستہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے نظام پر غلبہ پارہے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کو نشانہ بنارہے ہیں۔ کیونکہ وہ اکثریتی حمایت کے بغیر طاقت حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو کہ ایک چھوٹے مگر طاقت ور گروہ کو ایک بڑے گروہ پر غلبہ دے سکتا ہے اور انتہائی افسوس اس بات کی ہے کہ یہ سب انسانی حقوق

کے نام پر ہو رہا ہے۔

ہم میں سے وہ لوگ جو کہ امریکی عدالتی نظام کا حصہ رہ چکے ہیں، اس حکمت عملی کے بارے میں جانتے ہیں۔ آپ میں سے بہت سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، متنازعہ معاملات پر جیسا کہ اسقاط اور ہم جنس پرستوں کے حقوق۔ بہت سے امریکی کہیں زیادہ خاندانی اور زندگی سے بھر پور ہیں جتنا کہ ہمارا قانون اور یقیناً ہمارا میڈیا آپ کو باور کراتا ہے۔ ہمارے ہاں خاندانی نظام کے خلاف قوانین ہم پر عدالتوں کے ذریعے لاگو کیے جاتے ہیں اور انسانی حقوق کے نظام کے ذریعے خاندانی نظام کو پسند کرنے والی دنیا پر غیر خاندانی قوانین مسلط کیے جا رہے ہیں۔

1970 میں امریکی اسقاط حمل کی طرف داری کرنے میں جمہوری ذرائع کے ذریعے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے پر ناکام رہے۔ بہت سی ریاستیں اپنی عوام کی جمہوری خواہشات کا ظاہر کرتے ہوئے اسقاط کے بارے میں قوانین کو ختم کر چکے ہیں۔ سوائے ان مجبوری کے حالات میں جب کہ معاملہ زنا بالجبر یا ماں کی جان بچانے کا ہو، حالیہ سروے کے مطابق اب بھی صرف 70% امریکی سمجھتے ہیں کہ اسقاط کو صرف ان سخت حالات میں ہونے کی اجازت ہونی چاہیے۔ تاہم اب بھی امریکہ میں ہر سال کے دوران 1.2 سے 1.5 ملین اسقاط ہوتی ہیں۔ ان میں سے صرف 2 یا 3 فی صد ہی ان سخت حالات کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب 97 سے 98 فیصد تک کی اسقاط غلط ہوتی ہیں۔

بہت سے امریکی اسے غلط سمجھتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس خوفناک گناہ کو ختم کرنے کا کوئی جمہوری طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ 1970ء میں اسقاط کی وکالت کرنے والوں نے لوگوں اور عدالتوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر 1973 میں ججوں کی ایک مخصوص تعداد نے اس سے قطعی لاتعلقی ظاہر کی کہ امریکی آئین اسقاط کے بارے میں کیا قوانین رکھتی ہے اس قانون کو پاس کیا اور کانگریس بھی اس کو توڑنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

اب ہم جنس پرست لوگوں کے حقوق کے لیے لڑنے والے بھی اسی حکمت عملی پر چل رہے ہیں ایک عدالت سے دوسری عدالت میں صرف یہ ڈھونڈنے نکلتے ہیں کہ کوئی ایسا جج ملے جو ہم جنس پرست شادی کو جائز قرار دے دے اور پھر وہ اسے امریکی عوام پر مسلط کر دیں جنہوں نے مکمل طور پر اسے رد کر دیا ہے۔

سچائی یہ ہے کہ امریکہ میں پچھلے 40 سالوں میں جو ثقافتی زوال آیا ہے وہ اس لیے نہیں کہ عوام نے اخلاقی معیار کو گرانے کے لیے ووٹ دیے بلکہ اس لیے کہ وہاں کے کچھ ججوں نے ایسے اخلاقی معیار ختم کیے جو کہ آئین کے خلاف تھے۔

یہی حکمت عملی مغربی سماجی کارکنوں نے پوری دنیا میں اختیار کی۔ اسی طرح ایک طاقتور گروپ Center for Reproductive Law and Policy ہے جس کا مرکز نیویارک ہے۔ یہ گروپ امریکی تنظیمات کے فنڈز کی مدد سے چل رہا ہے اور اقوام متحدہ میں بحث و مباحثہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔

یہ وکیل جو تولیدی حقوق اور قانونی پالیسی کے فورمز کے تحت کام کرتے رہے ہیں یہ پہلے انسانی حقوق اور اُن کی آزادی کے لیے کام کرتے تھے۔ اِن کا مقصد اسقاط اور ہم جنس پرستی پھیلانا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں یہ ہماری ریاست یوٹا میں اُس قانون کو ختم کرنے آئے جو ہمارے ایک قانون ساز نے اسقاط کو محدود کرنے کے لیے بنایا۔ میں اور رچرڈ بھی اُس ٹیم کا حصہ تھے۔ ان وکیلوں نے ایسی پالیسی وضع کی تاکہ کثیر مخالفت کے باوجود عالمی بنیادوں پر اسقاط اور ہم جنس پرستی کے حقوق کو پھیلا سکیں۔

عالمی دنیا میں خاندانی نظام کی مخالفت کرنے والے وکیلوں نے انسانی حقوق کے نظام کو نشانہ بنایا۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کے قانون نے قومی اور ریاستی قانون دانوں کو مغلوب کیا۔ غلط ہاتھوں میں جا کر انسانی حقوق کا نظام ایک ظلم کی عبارت بن جائے گا نہ کہ دنیا کے لوگوں کے لیے آزادی کا ہتھیار۔

یہ مغربی سماجی کارکنان اور حکومتیں آج کل انسانی حقوق کا استحصال کرنا چاہتے ہیں اور تمام دنیا پر ایک نیا نظام متعارف کروانا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے انسانی حقوق کا نام نہاد پرچار اقوام متحدہ کے چارٹر اور عالمی انسانی حقوق جیسا کہ وہ اصل وضع کیے گئے دونوں کے خلاف ہے۔

کلیدی خطاب: اقتدارِ اعلیٰ اور انسانی حقوق' اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق

اقوامِ متحدہ کا مقصد قوموں کے درمیان انسانی حقوق کے قوانین اور لوگوں کی خودمختاری کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا ہے۔[۲]

یہ تنظیم اس کے تمام ممبران کی مکمل برابری کے اصول پر بنیاد رکھتی ہے۔[۳]

اس چارٹر کے مطابق اقوام متحدہ کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ غیر ریاستی اداروں کے ذریعے ملکوں کے معاملات میں مداخلت کرے۔[۴]

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (UDHR) کہتا ہے:

لوگوں کی خواہش ہی حکومت کے اختیارات کی بنیاد ہوگی اور یہ خواہش انتخابات میں ظاہر کیے جائیں گے۔[۵]

یہ خود حکومت کرنے کا حق اور غیروں کے غلبہ سے آزادی، اتنی اہم ہے کہ یہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ میں شامل ہے۔

> ''تمام لوگوں کے لیے خودمختاری کے حقوق ہیں۔ اس حق کے ذریعے وہ آزادی سے اپنے سیاسی کردار کو ادار کر سکتے ہیں اور اپنے معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ترقی کو آگے بڑھا سکتے ہیں''۔[۶]

اگر چہ قومی خودمختاری اقوام متحدہ اور عالمی قانون کی بنیاد ہے، یہاں ایک واضح اشارہ ہے جو انسانی حقوق کے اقتدار کا اشارہ دیتی ہے۔ ہمارے پاس کوفی عنان کی مثال ہے جو بار بار یہی بات کہتے رہے کہ اقتدار کو ایک نئی شکل دی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر کوفی عنان نے کہا ہے:

> ''اکیسویں صدی کے شروع میں اقوام متحدہ لوگوں کو زندگیوں میں زیادہ مرکزی حیثیت حاصل کر چکا ہے جتنی کہ پہلے کبھی نہیں تھا۔ ریاست کا اقتدار بنیادی طور پر عالمگیریت اور عالمی تعلقات کی وجہ سے ایک نئی شکل اختیار کر رہا ہے، UN اس بات سے مکمل طور پر متفق ہے کہ تمام افراد کی جنس و مذہب اور نسل

۲۔ United Nations Chartered, Art, 1, Para 2

۳۔ United Nations Chartered , Art2, Pare1. ۴۔ United Nations Chartered, Art 2, para 7

۵۔ Universal Declaration of Human Rights, Article 21, para 3,

۶۔ UDHR, Art 1, para 1۔ ۷ Kofi Annan, Finanacial Times, Dec, 31, 1999.

کے امتیاز سے بالاتر ہوکر انسانی حقوق ہوں گے جنہیں رد نہیں کیا جاسکتا۔ پچھلے تمام سال میں، میں نے یہ سمجھنے کے لیے کہ قوموں کی کمیونٹی سے کیا مراد ہے، افراد کو اپنی کوششوں کا محور بنایا''۔ ۷

انسانوں کی فلاح کو اہمیت دینے والے اس مداخلت کے ارتقا کے ساتھ انٹرنیشنل کریمنل کورٹ کی مجلس قانون ساز نے ایک نیا جرم وضع کیا ہے اور یہ انسانی حقوق کی حق تلفی ہے۔

اگر انسانی حقوق کے خلاف آواز اُٹھانے والوں اور عالمی قانون کے مطابق بنیادی حقوق کی تردید کرنے والے افراد اور اداروں کو قید کردیا جائے تو اِن کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ خاص طور پر CEDAW کمیٹی، بچوں کے حقوق پر کمیٹی اور انسانی حقوق کی کمیٹی نہ صرف اقتدار اور خود اعتمادی کے لیے ایک خطرہ ہے بلکہ دوسرے انسانی حقوق کے لیے بھی خاص طور پر وہ اقدار جو ایک خاندان کو متاثر کرتے اور ثقافتی اور مذہبی اقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں، عظیم خطرہ بن کر سامنے آئے ہیں۔ ۸

خاندان:

انسانی حقوق کی بنیادی دستاویز خاندان کے ادارے اور اس کی پرائیویسی کی عزت کرتی ہے تاہم CEDAW اِس حوالے سے نہایت بے رحم انداز اپنائے ہوئے ہے یا کسی بھی اُن رویوں کے بارے میں جو کہ خاندان میں کوئی اہم پر اثر مقام حاصل کرسکے۔ CEDAW کمیٹی کے مطابق ماں بننے کا عمل انتہائی گھسا پٹا یا فضول ہے، جسے ختم کردیا جانا چاہیے۔ ساتھ ہی اس کمیٹی کے مطابق ایک چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی ڈے کیئر سنٹر میں زیادہ بہتر محسوس کرتا ہے بجائے اس کے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ہو۔ CEDAW کمیٹی عورتوں کے لیے کل وقتی ملازمت کو موزوں سمجھتی ہے، چاہے وہ اسے صحیح سمجھے یا نہیں۔ یاد رکھیے کہ یہ طور طریقے قدامت پسند ثقافت کا حصہ نہیں جبکہ CEDAW کے نزدیک اس صدیوں سے چلتے آنے والے رویے کو ختم کردیا جانا چاہیے۔

''پرانی روایات کو ختم کرنا'' ایک بہت بے رحم احساس ہے۔ حتی کہ ایسے ممالک بھی ہیں، جہاں عورتوں کے پاس مردوں کے مقابلے میں زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ہیں اور جہاں پر قانونی طور پر ہر قسم کی ملازمت کرنے کے لیے عورتوں کے لیے تمام رکاوٹیں ختم کردی گئی ہیں۔ مگر CEDAW یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ان ممالک میں اب بھی کچھ خواتین ایسی ہیں جو کہ اپنے خاندان کو ملازمت پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزارنا چاہتی ہیں جو کہ عورت اور مرد کو ایک ہی گھر میں برابر مگر مختلف کردار ادا کرنے کا کہتے ہیں جو کہ ایک خاندان یا پھر ایک چرچ میں مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے جمع ہوتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ بنیادی انسانی حقوق کی دستاویزات مذہبی عقائد اور امور کی بھی ویسے ہی حفاظت کرتے ہیں جیسے کسی انسانی حق کی۔ تاہم CEDAW کمیٹی کے لحاظ سے حکومت لوگوں کے اندرونی مذہبی معاملات میں طاقت کے ذریعے سے اُن کے عقائد میں بھی مداخلت کرسکتی ہے۔ ۹

اس کمیٹی نے لیبیا کو ہدایت کی کہ وہ اپنے 'قرآن' کو CEDAW کے اصولوں کے مطابق بدل دیں۔ اس کمیٹی نے مختلف ممالک مثلاً ناروے، نیوزی لینڈ، اور ہانگ کانگ کی مذمت کی کہ ان حکومتوں نے اپنے چرچوں کو بلاامتیازی قانون

۷۔ Kofi Annan, Finanacial Times, Dec, 31, 1999.

۸۔ ICCPR, Art, 18. para, 1,2. ۹۔ UDHR, Art, 18.

سے بالاتر رکھا ہوا ہے۔ CEDAW کمیٹی اب ایک ایسا مقام حاصل کر چکی ہے جس کے مطابق وہ ان تمام عوامل میں سے ایک ہے جو عورت کے بیرونِ خانہ کردار کو ایک خوبی سمجھتے ہیں۔ تمام ممالک میں ثقافتی روایات اور مذہبی عقائد نے عورت کے دائرہ کار کو محدود رکھا ہے تاکہ معاشرے میں اچھی روایات پنپ سکیں۔[۱۰]

اصل میں CEDAW کمیٹی مذہبی عقائد کے اعمال کو قابل تبدیلی فیشن سمجھتی ہے اور اسے ختم کرنا چاہتی ہے۔ ممالک نے جہاں پر اپنے مذاہب کے مطابق حدود قائم کر رکھی ہیں۔ وہاں سے CEDAW اُن حدود کو ختم کرنا چاہتی ہے اور جہاں پر کوئی حدود نہیں، وہاں پر CEDAW ایسے قوانین وضع کرنا چاہتی ہے جو مذہب کے حفاظتی تدابیر کے خلاف ہوں۔ پھر اگر ملک کے قوانین انتہائی سیکولر ہوں اور افراد مذہب کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہوں تب بھی یہ کمیٹی مطمئن نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر حالیہ خبروں کے مطابق CEDAW کمیٹی نے آئر لینڈ کی حکومت کو اس وقت مذمت کا نشانہ بنایا، جب وہاں کے لوگوں نے خاص طور پر اسقاط جیسے معاملات کے پیش نظر کیتھولک فرقے کے مطابق سوچنے اور ووٹ دینے کا ارادہ کیا۔ CEDAW کمیٹی نے واضح طور پر یہ بات کہہ دی ہے کہ آخرکار مذہبی اور قومی اختلافات کی بنیاد یہ مذہب اور ثقافت بنے گی۔ اس میں مزید یہ کہا گیا ہے:

> ''ایک ایسی پالیسی کے نفاذ کی ضرورت ہے جو صنفی بنیادوں پر تمام امتیازات کو ختم کردے، اگر چہ وہ مذہبی اور نظریاتی عقائد سے ٹکراتی ہی کیوں نہ ہو۔''

حالانکہ اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ صنفی برابری کے نظریے کے نفاذ کے لیے مذہبی عقائد، روایات اور اقدار کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ CEDAW کمیٹی اور انسانی حقوق کی کمیٹی دونوں کا اسقاط کے معاملے پر مؤقف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کمیٹیاں جان بوجھ کر ایسے حقوق ایجاد کرتی ہیں جن پر کبھی کوئی متفق نہیں ہوا۔

یہ دونوں کمیٹیاں حکومتوں پر زور دے رہی ہیں کہ اسقاط کے معاملے پر اپنے قوانین پر دوبارہ غور کریں اور انہیں تبدیل کریں۔ یہ دونوں کمیٹیاں ہم جنس پرستی اور لیزبینزم کو ایسے بیان کرتی ہیں جیسے یہ بنیادی انسانی حقوق ہوں۔ Tasmanie Toonen میں انسانی حقوق کی کمیٹی نے یہ بیان دیا کہ اغلام باز ہم جنس پرستی کے خلاف قوانین ICCPR کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ کرغستان کی ملکی رپورٹ کے ریویو میں CEDAW کمیٹی نے اسے ہدایت کی کہ اپنے قوانین مین لیزبینزم کو قانونی قرار دے۔[۱۱]

ان متنازعہ حقوق کی تخلیق نے کانفرنس کے کاغذات کا غلط استعمال کر دیا ہے۔ 1996 میں ایک گول میز کانفرنس میں جو کہ UNFPA کی طرف سے منعقد کی گئی۔ خواتین کی ترقی کے ڈویژن اور انسانی حقوق کے ہائی کمشنر اور انسانی حقوق کے معاہدوں کے سربراہ خاص طور پر 'تولیدی صحت' اور 'تولیدی حقوق' کا پرچار کرتے رہے تاکہ ہم جنس پرستی اور اسقاط جیسے معاہدوں کو ایک نئی راہ ملے۔

بین الاقوامی قانون کے مطابق' ان معاہدوں کی ترجمانی 'اچھے عقائد' پر ہونی چاہیے۔ اسقاط اور ہم جنس پرستی کا اس طرح کے اقدام کے ذریعے انسانی حقوق کے کاغذات میں ضم ہونا بہت غیر معتدل ہے۔ کیونکہ ہم جنسی پرستی اور اسقاط دونوں

۱۰۔ A/49/38, para 135 (libya) ۱۱۔ A/ 54/38, paras 127,128 (kyr Ghyzstan)

ہی قاہرہ اور بیجنگ کانفرنس میں حقوق کے طور پر سمجھے گئے ہیں' جب ''تولیدی صحت'' اور ''تولیدی حقوق'' کو وضع کیا گیا' جبکہ اسقاط اور ہم جنس پرستی کو حقوق کے طور پر قاہرہ اور بیجنگ 5+ میں رد کر دیا گیا تھا۔

اب CEDAW عصمت فروشی کو بھی ایک 'حق' کا مقام دے رہی ہے۔ آخری دو سالوں کے دوران اس کمیٹی نے چین میں عصمت فروشی کو قانونی قرار دیے جانے پر زور دیا۔[۱۲] یونان کو عصمت فروشی کو قانون قرار دیے جانے پر اصرار کیا اور جرمنی کو ہدایات دی کہ عصمت فروشی کو ایسا قانونی پیشہ قرار دیں جیسا کہ ہر قانونی ملازمت میں ملازموں کو حقوق دیے جاتے ہیں۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ اس کمیٹی نے ان حقوق کو کیسے ثابت کیا ہے؟ شاید یہ قاہرہ اور بیجنگ کی زبان ہو جسے مغربی حکومتوں اور دوسروں نے جنسی حقوق کی تعریف کے زمرے میں لیا جیسے کہ:

خواتین کے انسانی حقوق میں یہ بات شامل ہے کہ وہ آزادی سے اپنے جنسی حقوق کے متعلق معاملات کے بارے میں آزادی سے فیصلہ کر سکیں۔[۱۳] غیر واضح کانفرنس کے یہ کاغذات محض انسانی حقوق کے معاہدوں کی ترجمانی ہیں جو انسانی حقوق کے معاہدوں کے سربراہان کی طاقت کا نتیجہ ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ یہ سربراہان ایسے معاہدے تشکیل دے رہے ہیں جن کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ لوگوں کی طرف سے رد کیا جائے گا۔ ماہرین کی کمیٹی کسی کو اتنا اختیار نہیں دینا چاہیے کہ وہ خود سے نئے حقوق وضع کریں اور پھر انہیں خودمختار ریاستوں پر ان کی مرضی کے بغیر لاگو کریں۔

افتتاحی خطاب ورلڈ فیملی پالیسی فورم، میرا ایلن سموٹ:

برگھم ینگ یونی ورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹیز کی رکن اور لیٹر ڈے سینٹ چرچ کی ریلیف سوسائٹی کی صدر محترمہ میرا ایلن سموٹ نے اپنے ابتدائی خطاب میں اس فورم پر اکھٹے ہونے کے مقاصد بیان کیے۔ انہوں نے یونی ورسٹی اور ورلڈ فیملی پالیسی فورم کا تعارف بیان کرتے ہوئے کہا کہ برگھم ینگ یونیورسٹی کے ایگزیکٹو بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے میں آپ کو یہاں آنے پر خوش آمدید اور شکریہ ادا کرتی ہوں۔

1999ء کے سیشن میں ہمارے پاس 113 مختلف ممالک سے 1938 طلبا تھے۔ یہاں پر قوموں کی کثرت رہی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں آپ یہاں سے مختلف قومیتوں کے طلبا تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں زندگی اور علم کا اعلیٰ معیار قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایک بار میں نے اردن کے ایک رہنما سے پوچھا کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو پڑھنے کے لیے اتنی دور کیوں بھیجا؟ تو اُنہوں نے جواب دیا ایک بار انہیں نمایاں تعلیم مل جائے تو وہ محفوظ ہو جائیں گی۔

میں رچرڈ ولکنز' ایلین کارلسن' پال میرو' کے بالمفورتھ' کورے لینرڈ اور جینوا میں عالمی کانگریس کے تحت خاندان کے موضوع پر ہونے والی کمیٹی کی شکرگزار ہوں۔ روم میں ایک منصوبہ جاتی کمیٹی کے تحت کام کرتے ہوئے میں تمام قوموں اور مذہبی طبقوں کے خاندانی معاملات اور دنیا میں خاندانی مسئلے کے حل کی تلاش میں کوششوں سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔

ہمارے صدر گورڈن بی ہنکلے نے خاندان کے بارے میں فرمایا:

''ماں اور باپ ہی دو ایسے افراد ہیں جو کہ ایک گھر کی تمام آسائشات اپنی ہمت کے بل بوتے پر بناتے

۱۲۔ A/54/38/ paras, 288,89 (China)

۱۳۔ Bejing Platform for Action, para 96

ہیں اور اپنے بچوں کو فراہم کرتے ہیں' جس کے زیر اثر بچے تابعداری اور دوسروں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کے آداب سیکھتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرہ جو کہ اس سے بالکل متضاد رویے اپنا رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ درزی صحیح معیار کی سلائی نہیں کر رہے۔''[۱۴]

ایک دفعہ مجھے لیڈی مارگریٹ تھیچر کے ساتھ تبادلہ خیال کا موقع ملا اور ان کا ایک تبصرہ میرے دماغ پر نقش ہوگیا جو کہ کبھی نہیں مٹے گا۔

''آپ نہ مضبوط بنیاد کے بغیر عمارت بنا سکتے ہیں نہ اپنا ایمان ہی مکمل کر سکتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے قدم رکھنے کے لیے آپ کو کوئی جگہ چاہیے''۔[۱۵]

اسی وجہ سے ہم یہاں موجود ہیں کہ ایک عمارت کی طرح ایک خاندان کی بقا میں بنیاد کی اہمیت بیان کی جائے۔ پچھلے تین سالوں سے میں ریلیف سوسائٹی آرگنائزیشن کی جنرل پریذیڈنٹ کی حیثیت سے کام کر رہی ہوں جو کہ لیٹر ڈے سینٹ کے چرچ کا حصہ ہے۔ ہماری تنظیم 1842ء میں صرف 20 خواتین کے ساتھ عمل میں آئی جبکہ آج دنیا کے 165 ممالک کی 50 لاکھ خواتین اس کا حصہ ہیں اور اس طرح آج یہ اپنی طرز کی سب سے بڑی تنظیم مانی جاتی ہے۔ ہم اس تنظیم کے ذریعے غریب اور بیمار کی مدد کرتے ہیں تاکہ زندگی بچائی جا سکے اور اپنے قائدین سے مشاورت کر کے پہلے اپنے خاندانوں سے آغاز کرتے ہیں۔ ہم انسانیت کے لیے کوششوں میں بہت سی دیگر تنظیمات اور مستحق خاندانوں کی خاموشی سے مدد کرتے ہیں۔

شادی کے تحفظ اور استحکام میں معاشرتی قانون کی اہمیت

ورلڈ فیملی پالیسی فورم میں نارتھ ڈکوٹا سٹیٹ یونیورسٹی کے دو پروفیسرز Seam E Brotherson اور Jeffery B Teichert نے اپنی تحقیق بحث و مباحثہ کے لیے پیش کی کہ ایک معاشرے میں قانون کیونکہ شادی کے مفہوم پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے کس طرح شادی کے ادارے کو مستحکم کرنے اور اِسے تحفظ دینے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اُنہوں نے آغاز اس بات سے کیا تھا کہ مستحکم شادیاں، ایک اچھے اور پاکباز معاشرے کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

دراصل اس معاشرے میں خاندانی زندگی کے مستقبل کے مفہوم کے حوالے سے موجودہ مباحث میں شادی کا ذکر موجود ہی نہیں ہے۔ شاید ان مباحث کا کوئی بھی پہلو قانونی حکمتِ عملی اور عدالتی تشریح یعنی قانون کے متعلق جذبات کے اظہار' آگہی و ادراک اور تنازع کی نیت زیادہ قابل بحث نہیں ہے۔ اس عمل کے دوران متاثر ہونے والے اہم معاملات و مسائل، شادی کی نوعیت اور اس کے مفہوم کے تناظر کے متعلق ہیں۔ میں اس امر کے حوالے سے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ قانون میں تبدیلی کے حوالے سے ان مثالوں کا بھی جائزہ لیا جائے جس قانون کے ذریعے شادی کمزور یا مستحکم ہوسکتی ہے اور شادی کی نوعیت اور مفہوم کے متعلق رویوں پر اثر انداز ہونے والی قانونی تبدیلیوں کو اختیار کرنے سے قبل کئی ایک راہنما نکات اور تجاویز پیش کی جائیں۔

۱۴۔ Teaching of GBH p.200

۱۵۔ Business magazin interview with Joseph Cannon, 1996

سوڈانی سفیر عبداللہ خالد عبداللہ کا خطاب

سوڈان کے سفیر عبداللہ خالد عبداللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شاید آپ جانتے ہوں یا نہیں' میں ایک مسلمان ہوں اور میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ خاندان کے حوالے سے جو بھی نظریات آپ رکھتے ہیں مسلمان بھی کسی حد تک اس سے اشتراک رکھتے ہیں۔ یہ بتانا بہت اہم ہے کیونکہ یہ جاننا کہ ہم سب بنیادی مذہبی عقائد کے مشترک ہونے کی بنا پر ایک ہی مقصد کے لیے متحد ہیں۔ اس طرح سے ہم لوگ دوسروں کے سامنے اپنا مؤقف رکھنے میں زیادہ کامیاب ہوسکتے ہیں جب ہمارے درمیان مضبوط جوڑ قائم ہو۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھ پر یہ ایک مذہبی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے جو کہ سب سے زیادہ دانش منداور تمام تعریفوں کے قابل ہے اور اس کے ساتھ حضرت محمدؐ کی تعلیمات کے مطابق کہ میں خاندان (Joint Family System) اور والدین کے حقوق' خاص طور پر بچوں کو مذہبی اور روایتی تعلیم دینااور پرورش کرنے کے حق کا دفاع کروں۔اسی طرح یہ بھی تمام مسلمانوں پر مذہبی لحاظ سے فرض ہے کہ وہ انتہائی پر زور طریقے سے ہم جنس پرستی کی مذمت کریں اور اسے رد کردیں۔

اسلام سے پہلے ایسی کوئی باضابطہ عرب سوسائٹی نہیں تھی جس میں اخلاقی اقدار اور معاشرتی روایات ہوں جو کہ اپنے کارکنان کے رویوں اور عادات کو متناسب کریں۔ چونکہ وہاں کوئی مضبوط ثقافت نہیں پائی جاتی تھی اس لیے وہاں کوئی خاص ثقافتی طرز کا نظام نہیں تھا جو اپنے کارکنان کو جنسی رویوں اور شادی کے بارے میں اقدار فراہم کرے۔ مثال کے طور پر وہاں ایک عام روایت تھی کہ بہت سے بھائی جو ایک ساتھ رہ رہے ہوں ایک ہی عورت سے اپنی جنسی ضروریات پوری کرتے تھے۔ آخر کار نتیجتاً ایک کی ولدیت کا تعین کرنا ناممکن ہوجاتا تھا۔ بالآخر بچے کی جسمانی مشابہت سے اس کے باپ کا تعین کیا جاتا تھا۔ اس طرح نہ تو وہ اس نتیجے کو رد کرسکتا تھا نہ بچہ ہی اس کے نتیجے میں وہ رہنمائی پدر اور شفقت پدر سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بچے کے پاس کوئی وراثتی حق کبھی نہیں رہتا تھا۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کے پیدائشی قتل کا رواج بھی عام تھا۔

اسلام نے سب سے پہلا کام خاندان کے نظام کو مضبوط بنانے کا کیا تاکہ معاشرہ مضبوط ہوسکے اور یہی کسی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام نے مذہبی اور ثقافتی نظام ترتیب دیا جو ازدواجی اقدار اور جنسی رویوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ ممانعت ان اقدار کو ظاہر کرتی ہے جو ایک قانونی شادی کے ذریعے اور صحت مند خاندان اور (joint family system) کو قائم رکھنے کے لیے بنائے گئے۔

جیسا کہ پروفیسر عبدالرحیم عمران اپنی کتاب (Family Planning in the legacy of Islam) میں لکھتے ہیں کہ خاندان اسلامی معاشرے میں معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور شادی ایک بنیادی اسلامی ادارہ ہے۔ شادی اور خاندان کا عمل میں آنا ایک سنجیدہ ذمہ داری ہے اور یہ ایک مخصوص عمل تنظیم کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اسلام میں خاندان میں ایک نیوکلیس (شوہر، بیوی اور بچے) کے علاوہ دوسرے خاندان رشتہ دار (اہل) شامل ہیں خاندانی رشتوں کو چلانے کے لیے کچھ مخصوص قوانین مرتب کیے گئے ہیں قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی احادیث کی تعلیمات بھی اس بات کو واضح کرتی ہیں۔

اسلام کا معاشرتی کردار ہمیشہ کے لیے نافذ ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور ایک خاندان معاشرے کا بنیادی حصہ ہے۔ اسلام خاندان کا تصور ایک ایسی چیز کے طور پر پیش کرتا ہے جو انتہائی موزوں اور قابل تحریم ہے۔ ثقافتی اور قانونی لحاظ سے جنسی خواہشات کو پورا کرنے اور بچوں کی نشوونما کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنے خاندانی نظام میں اپنی مذہبی تربیت' اپنے اخلاقی کردار کی تعمیر' مضبوط معاشرتی تعلق اور معاشرے اور خاندان کے ساتھ وفاداری کو بھی تقویت پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سمیحہ راحیل قاضی (مقالہ نگار) کا خطاب:

سب سے پہلے تو میں اس کانفرنس کے منعقدین کو اس پیش قدمی پر مبارک باد دینا چاہوں گی اور ساتھ ہی اس محنت اور جدو جہد کے لیے جو انہوں نے اس تقریب کو منعقد کروانے میں اٹھائی۔ بیجنگ 5 + اور اسی طرح کی مختلف کانفرنسز اور خاندان اور شادی کے اداروں کی حرمت کی پامالی کے لیے عالمی سازش کے پس منظر میں اس کانفرنس کا منعقد ہونا ناگزیر تھا۔

اس موقع پر میں یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ ہمارا مقصد کسی خاص گروہ کے خلاف تعصب پھیلانا نہیں ہے۔ ہم تبادلہ خیالات اور جہاں کہیں بھی مثبت رویے پائے جائیں انہیں سیکھنے پر یقین رکھتے ہیں حضرت محمدؐ نے فرمایا:

''علم ذہین لوگوں کی میراث ہے''

''عقل مندی کی بات جہاں کہیں سے بھی ملے اسے حاصل کرو''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ انسانیت کو شائستگی اور اخلاقیات کے بلندیوں کو پانے کے لیے ایک مسلسل سفر کرتے رہنا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے خیال میں ایک تنہا بشری سوچ' چاہے وہ ایک اکیلے انسان کی ہو یا ایک تنہا گروہ کی' انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرسکتی، نہ ہی اس کے لیے بہترین طرزِ عمل پر مبنی حکمت عملی کو پاسکتی ہے۔ انسانی زندگی روحانی اور جسمانی اختلافات سے بالاتر ایک مکمل باضابطہ طرزِ عمل ہے۔ اگر ہم ایک خالق پر ایمان رکھتے ہیں' جیسا کہ ہم میں سے بہت سے رکھتے ہیں تو پھر زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق انصاف پر مبنی طرزِ عمل بھی اسی خالق کی طرف سے پیش کردہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ جو خود خالق ہے جانتا ہے کہ اس کے مخلوق کے لیے کیا سب سے بہترین ہے؟

تو پھر زندگی میں توازن لانے کے لیے انسانی رویوں کے تناسب کے لیے الہامی رہنمائی کا کردار بہت اہم ہے۔ ابراہیمی روایت کے تمام تین عقائد بھی اسی اصول کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

(1) ایک خدا پر ایمان

(2) اس زندگی کے بعد کی زندگی پر ایمان

(3) خدا کے سامنے جواب دہی پر ایمان

زندگی کے دوسرے تمام پہلوؤں کی طرح خاندان کے معاملات چلانے کے لیے بھی ہمیں اسی الہامی رہنمائی کی

ضرورت ہے۔ خدا کی موجودگی کا احساس نہ صرف مرد اور عورت کے رشتے میں پیار محبت اور توازن پیدا کرتا بلکہ شادی کے ادارے کی پاکیزگی اور والدین، بچوں اور بزرگوں کے درمیان بھی رشتے کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس طرح سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں خاندان کا ہر فرد دوسرے کے لیے تکمیلی اور معاون کردار ادا کرتا نظر آتا ہے اور معاشرے میں انفرادیت کی بجائے خاندان ایک اکائی کی صورت میں بنیاد بنتا ہے۔

ایک مہذب معاشرے میں افراد اور معاشرے کے درمیان حقوق وفرائض کا ایک تناسب قائم ہوتا ہے۔ آزادی خدا کا ایک تحفہ ہے لیکن اسے بھی معاشرے کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے استعمال کرنا چاہیے۔ صرف انفرادی حقوق ہی نہیں، بلکہ معاشروں اور ثقافتوں کے حقوق کی بھی ضمانت ہونی چاہیے۔ یہ خدا پر اور اس کے پیغام پر ایمان ہی ہے جو معاشرے کے لیے فرائض کی ذمہ داری کا احساس جگائے رکھتا ہے۔ خاندان اور شادی کے ادارے بھی ایک بڑی حد تک اس شائستگی اور اخلاقیات پر انحصار کرتے ہیں۔

جب ہم مرد اور عورت کی انسانیت کے لحاظ سے برابری کی بات کرتے ہیں تو جسمانی اور نفسیاتی تفریق کو نظر انداز کر دینا جہالت ہوگی۔ یہ تفریق آزادی کے خلاف نہیں ہے اور اس کی آگاہی ضروری ہے۔ مرد اور عورت کو اپنے جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں کے اعتبار سے زندگی میں مختلف کردار ادا کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ مرد کی مردانگی اور عورت کی نسوانیت کو ختم کرنے سے ان کے آپس کے رشتے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ عورت کی سرگرمیوں کا مرکز اس کا گھر ہے اور ایک پرسکون ماحول سے بھرپور گھر کو بنانا اس کا فرض ہے۔ مرد کا خاندان کے سربراہ کے طور پر پہچان معاشرتی ضرورت اور خاندانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ عورت کے حقوق کو رد نہیں کرتا۔ تعلیم اور بچوں کی پرورش تمام تر انسانی سرگرمیوں میں سب سے قیمتی اور ضروری سمجھی جانی چاہیے۔ مرد اور عورت دونوں کے کردار اپنی اپنی جگہ باعزت ہیں اور انہیں ہم جنس کرداروں سے بدلا نہیں جاسکتا۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ ہمیں آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مسرت بخش خاندان، ہم آہنگ معاشرے اور پرسکون دنیا بنانے میں ہماری مدد فرمائے اور اس کام کے لیے ہمیں عقل وفہم عطا کرے۔ آمین

سید شاہد حسین صاحب کا خطاب:

سید شاہد حسین صاحب اقوام متحدہ کے سینئر سفارتکار اور خاندان کے ادارے کے استحکام کے لیے حکمت عملی تجویز کرنے کے بارے میں او آئی سی کے مستقل مندوب کی حیثیت سے برسوں سے کام کررہے ہیں۔ انہوں نے کانفرنس کے شرکا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

مجھے ماہرین، سرکاری ملازمین، سفارتکاروں، ماہرین دینیات اور سماجی اصلاح کاروں کے ایک معزز اجتماع سے خطاب کرنے کا اعزاز حاصل ہورہا ہے تاکہ اپنے دور میں 'خاندان' کو مستحکم کرنے کے ضمن میں ممکنہ قومی اور بین الاقوامی حکمتِ عملیوں پر سیر حاصل گفتگو کی جائے۔

میرے ذہن میں ''فرسٹ ورلڈ پالیسی فورم'' میں کی گئی ہماری گفتگو کے متعلق شاندار یادیں موجود ہیں۔ جب ہم

نے جنوری 1999ء میں Brigham Young University میں منعقد ہونے والے اس فورم کے دوران، اس شاندار اور حیرت انگیز موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مختلف قسم کی معلومات، انداز ہائے فکر اور خیالات کا باہمی تبادلہ کیا اور پھر ہم نے گزشتہ سال نومبر میں جنیوا کے مقام پر منعقد ہونے والے Second World Congress of Families کے دوران ایک دوسرے کو اپنے تحریکی اور معلوماتی نظریات و خیالات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد سے کئی ایک منتظمین اور شرکا' خاص طور پر پروفیسر کیھترین بام فورتھ، پروفیسر رچرڈ ولکنز اور ڈاکٹر ایلن کارلسن کے ساتھ ہمارے روابط اور گفتگو کے ذریعے، خاندان کے تحفظ اور استحکام کی اہمیت اور قومی معاشی اور سماجی ترقی کے لیے کوششوں کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اس مقصد کو انجام دینے کے لیے مختلف طریقوں اور حکمتِ عملیوں کی نشاندہی اور انہیں وضع کرنے کی ضرورت کے حوالے سے ہماری آگہی اور ادراک پر نظر ثانی کے علاوہ ان میں مزید نکھار پیدا کیا ہے۔

میری خواہش ہے کہ میں آج کے دن اپنے معلومات افزا جائزے کو پیش کرنے کا آغاز اپنے چار مفروضات سے کروں، جو میں نے جنیوا میں Second World Congress Families کے سامنے پیش کیے تھے۔

ایک یہ کہ میں خاندان دوست' سامعین کے سامنے خطاب کر رہا ہوں۔

دوسرا یہ کہ ہم سب یہاں اس لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ فطری لحاظ سے 'خاندان' کی شناخت اور پہچان حاصل کریں۔ یعنی خاوند، بیوی اور بچے' اور پھر قریبی عزیز رشتے داروں کی وسیع تعداد۔ دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچیاں، ماموں، ممانیاں، سسرال عزیز وغیرہ۔

تیسرا یہ کہ ہم خاندان کو معاشرے کی اس بنیادی اکائی کی حیثیت سے قابل اہمیت سمجھتے ہیں جس پر بنی نوع انسان کی معیاری نوعیت اور قوت و طاقت کا انحصار ہے۔

چوتھا یہ کہ، جب خاندان کو مختلف نامعلوم اطراف سے شدید خطرات کا سامنا ہے، تو ہم سب یہاں اس لیے جمع ہیں کہ خاندان کی حرمت اور تقدس کے ساتھ اپنے ایمان اور وفاداری کی دوبارہ تصدیق کریں اور یہ عزم بھی کریں کہ موجودہ ہزاروی میں ایک عالمگیر گاؤں کے حصول' جو ہماری منزل ہے' کی جانب سفر کے حوالے سے خاندان کے مفادات کی حفاظت کے لیے ہم اپنی طاقت اور صلاحیت کو مزید مضبوط بنائیں گے۔

مجھے توقع ہے کہ میں اس حقیقت کے ضمن میں آپ کو اپنے مؤقف سے آگاہ کر سکتا ہوں کہ میری توجہ کا مرکز ترقی پذیر ممالک ہوتے، اور اس حوالے سے منعقد ہونے والے مذاکرات کی توجہ قومی سطح پر اُٹھائے جانے والے اقدامات کی طرف ہوگئی۔ اس کے لیے اس قسم کی مدد اور حمایت بھی حاصل کی جا سکتی ہے جو ہمیں بیرونی ذرائع' خاص طور پر اعلیٰ علمی اور تحقیقی مراکز کی طرف سے جن میں Brigham Young University نہایت ہی ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔

اپنی گفتگو کے مرکزی نکتے اور موضوع کی طرف پیش رفت کرتے ہوئے میں کہنا چاہوں گا کہ قومی سطح پر اٹھائے جانے والے اقدامات، لازمی طور پر حکومتی اقدامات ہونے چاہئیں' جنہیں تقویت فراہم کرنے کے لیے سماجی اقدامات بھی اٹھائے جائیں۔ حکومتی سطح پر حکومت کے سربراہ کی جانب سے خاندان کی حمایت میں ایک باضابطہ اعلان کو نہایت ذمہ داری اور مہارت کے ساتھ، تمام ممکنہ متعلقہ اداروں بشمول حکومتی وزارتیں اور محکمے غیر سرکاری ادارے، تعلیمی ادارے وکلا کی تنظیمیں،

تجارتی انجمنیں اور مذہبی ادارے وغیرہ۔ درحقیت اس قدم کے نتیجے میں یہ تجویز سامنے آتی ہے کہ ''نیشنل کونسل فار دی فیملی'' قائم کی جائے جن میں متذکرہ بالا متعلقہ ادارے شامل ہوں۔ یہ تجویز، ان تجاویز میں شامل تھی جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے ۱۹۹۴ء کو ''فیملی کا عالمی سال'' قرار دینے کے بعد ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں ظاہر ہوئی تھی۔

نیشنل کونسل کا قیام، خاندان کی مدد و معاونت کے حوالے سے ایک قابل عمل مربوط لائحہ عمل وضع کرنے کے ضمن میں پہلا یا کم از کم مفید قدم ثابت ہوتا۔ ضروری نہیں کہ یہ تمام عمل، مہنگا ثابت ہو، لیکن خاندانی مفادات کے تحفظ کے لیے بے شمار حکومتی اور غیر سرکاری اداروں کے درمیان مختلف حکمتِ عملیوں، منصوبوں کے حوالے سے ان میں ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ایک مفید طریقہ ثابت ہوسکتا ہے۔ خاندانی مفادات کے تحفظ کے لیے نیشنل کونسل دیگر اقدامات کے علاوہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے بھی سماجی سطح پر اختیار کیے جانے والے منصوبوں کی منظوری دے سکتی ہے۔ تاکہ انہیں عمل جامہ پہنانے میں مشکل پیش نہ آئے۔ اس ضمن میں میرے خیال کے مطابق یونیورسٹیاں بھی مختلف تحقیقی اور علمی اداروں کے ساتھ مل کر ایسا مواد اور اعداد وشمار مرتب کرسکتی ہیں جو نیشنل کونسل کو عملی اقدامات اٹھانے کے ضمن میں معاونت مہیا کرسکیں۔ مزید برآں اپنی طرف سے تکنیکی معلومات اور مدد کی فراہمی کے ذریعے نیشنل کونسل کو اپنی حکمت عملی مرتب کرنے میں یہ یونیورسٹیاں مدد مہیا کرسکتی ہیں۔

اب اگلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ نیشنل کونسل کے تحت وہ محکمے قائم کیے جائیں جو مختلف قسم کی حکمت عملیوں کو عملی شکل میں ڈھالنے کے لیے تربیت یافتہ ماہرین اور مخلص و بے لوث تکنیکی عملے کی خدمات حاصل کی جائیں۔

خاندان اور معاشرے میں بچوں کے حقوق

ٹوکیو یونیورسٹی کی پروفیسر آف لا محترمہ اکیرا مور یطانے بچوں کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے وضاحت یوں کی:

ہمارے ہاں بچوں کے حقوق ایک متنازعہ تصور ہے۔ اس ضمن میں ایک مثال ''بچوں کے حقوق کے بارے اجلاس'' ہے، جسے ۱۹۸۹ء میں اقوام متحدہ نے اختیار کیا۔

''بچے کا حقوقِ مختاری'' کے متعلق اجلاس کی دستاویز جو ہمارے دور میں موجود جذبے کی علامت کے طور پر ۱۹۸۹ء کے اجلاس کے مجموعی حتمی مسودے کو تقویت بخشی ہے۔ امریکی نمائندے کی طرف سے بے باک، دوٹوک اور واضح قدم کے تحت انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی کمیٹی کے ورکنگ گروپ کی طرف سے غور وفکر کا ثمر تھی۔ اس اجلاس میں کی جانے والی کوئی بھی گفتگو امریکہ کے اثر اور کردار کی نفی نہیں کرسکتی تھی۔

جیسے ہی ستمبر ۱۹۹۰ میں اجلاس کا قیام عمل میں آیا، بنیادی بیس ارکان (ممالک) کی طرف سے منظوری کے بعد اس کے رکن ممالک کی تعداد میں ناقابل یقین رفتار سے اضافہ ہوا۔ آج اس اجلاس کے رکن ممالک کی تعداد ۱۹۱ تک پہنچ چکی ہے اور صومالیہ کے علاوہ جس ملک نے اس اجلاس کی منظوری نہیں دی ہے وہ امریکہ ہے۔ ۱۶

۱۶۔ Akria Morita, The Historical and Philosophical Meaning of the Conversion on the Rights of the Child.....Predicated Experience of American Children's Law.....(Unpublished).

بلاشبہ یہ ایک نہایت عجیب وغریب صورت حال ہے۔ اس اجلاس کے مقصد اور جذبے کے ضمن میں سودے کی تیاری کے وقت امریکہ میں اس کی منظوری کے فوائد ونقصانات کے حوالے سے ایک تنازع اُٹھ کھڑا ہوا جسے ابھی تک حل نہیں کیا جاسکا۔ مسودے کی تیاری کے ضمن میں امریکہ نے جس قدر زیادہ توانائی صرف کی اس بارے میں متعدد مضامین کی اشاعت کے باعث ایک گرم مخالفت نے جنم لیا۔

درحقیقت اس پیش رفت کی اہمیت کیا تھی؟ حقوقِ اطفال کے تصور میں کون سے مسائل پوشیدہ تھے جس کے ''اعلیٰ مقاصد اور شاندار الفاظ کو بین الاقوامی برادری نے اس قسم کی حیران کن تیز رفتاری کے ساتھ قبول کیا۔

حقوقِ اطفال کو دو یکسر مختلف اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حقِ تحفظ اور حقِ خودمختاری۔ حقوقِ اطفال سے منسلک مسائل کا دو پہلوؤں کے لحاظ سے جائزہ لیتے ہوئے میری توجہ کا مرکز ''حقِ خودمختاری'' ہوگا۔ سب سے پہلے میں حقوقِ اطفال کے بارے اجلاس میں پیش کیے گئے مواد کے متعلق قانونی تجزیہ پیش کروں گی۔ اس کے بعد میں والدین اور بچے کے درمیان تعلق نفسیاتی ڈھانچے کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے مختلف نکات کا تجزیہ پیش کروں گی۔ اس منظّم اور جامع جائزے کے دوران مجھے اُمید ہے کہ ہم وہ سب کچھ معلوم کرلیں گے جو ہمیں ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ طریقے بھی ڈھونڈ لیں گے جسے ہم حقوق اطفال کے تصور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ضمن میں پیش آنے والے پوشیدہ خطرات سے نمٹنے کے لیے استعمال کرسکیں۔

اس کے بعد مصنفہ والدین اور بچے کے درمیان تعلق کے سلسلے میں دوعنوانات کے تحت اپنا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف عنوانات دینے پر اکتفا کریں گے۔ ایک عنوان ہے: پہلی متناقص اور عجیب وغریب صورت حال۔ اختیار والدین اور ریاستی سرپرستی (باپ کی حیثیت سے)۔ اس میں انھوں نے ۱۹۵۹ء کے اعلان حقوق اطفال کا ذکر کیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ بچے کی تربیت والدین کی ذمہ داری ہے اور اس میں ریاست کوئی مداخلت نہیں کرسکتی۔

دوسرا عنوان یہ ہے: دوسری متناقص اور عجیب وغریب صورت حال ..... والدین اور بچے کے درمیان تعلقات' بالمقابل حقوق اطفال: اس کے تحت جو تفصیلات دی گئی ہیں ان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بچے کو مکمل خودمختاری حاصل ہے اور وہ اپنے حقوق میں مکمل طور پر آزاد ہے۔

آخر میں مصنفہ نتیجہ بحث کے طور پر کہتی ہیں کہ میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی کہ حقوقِ اطفال کا تصور' بذاتِ خود مکمل بے معنی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جدید معاشرے کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی کے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے والدین کا اختیار بے کار اور بے ہودہ ہو چکا ہے اور ہمیں اس امر کا لازمی طور پر احساس کرنا چاہئیے کہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جہاں خاص طور پر بچے کا حقِ تحفظ کچھ ایک ہنگامی آگ بجھانے والے انجن کا کردار ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

خاندان کا تصور اور تشکیل

ایلن کارلسن نے ورلڈ فیملی پالیسی فورم میں خاندان کے تصور اور تشکیل کے بارے میں گفتگو کی کہ اقوام متحدہ کے

قیام کے ابتدائی سالوں میں ''خاندان'' کے متعلق پائے جانے والے تصور کی تشکیل دو عناصر کے ذریعے ہوئی۔ پہلے تو یہ کہ یورپ پر نازی قبضے کے باعث جنم لینے والی دہشتیں، یعنی اجتماعی موت گھر، نسلی تفاخر کی مہمات، انسانی اعضاء پر تجربات۔ یہ واضح اور ناقابلِ فراموش ان لوگوں کے اذہان میں موجود تھے جو اس نئی تنظیم کے افتتاح کے لیے ۱۹۴۵ء میں سان فرانسسکو میں اکٹھے ہوئے۔ اب یہ ضروری ہوگیا تھا کہ ''انسان'' کی عزت وحرمت بحال کی جائے، اور پھر روڈولف ہٹلر کی جانب سے نسل کشی کی خاطر برپا کی جانے والی تباہی و بربادی سے ایک مثالی تصور کے طور پر ''خاندان'' کی بقا کو ممکن بنایا جائے۔

دوسرے یہ کہ دوسری جنگ عظیم کے باعث برپا ہونے والی تباہی و بربادی، ان چار مخالف نظریات کے جنم کا سبب ثابت ہوئی جو بعد از جنگ، ماحول کی تشکیل کے لیے سرگرداں تھے۔ سیاسی اور فوجی لحاظ سے بالادستی، سوویت یونین میں پائے جانے والے کمیونزم اور امریکیوں کی آزاد خیال جمہوریت کے درمیان، وجۂ تنازع تھی۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۹۰ء پر مشتمل عرصے کو عام طور پر پیدا ہونے والی سرد جنگ کی عینک کے ذریعے دیکھا جاتا ہے لیکن سماجی حکمتِ عملی بالخصوص خاندانی حکمتِ عملی کے تناظر میں، ان عالمی نظریات، یعنی مسیحی اور سماجی جمہوریت کے درمان ایک مختلف قسم کی مسابقت دیکھنے میں آئی۔

ماہنامہ Marriage And Families

پروگرام کے آخر میں ہمیں محترم رچرڈ ولکنز نے Marriage And Families نامی رسالے کے شمارے دیے جن کے ایڈیٹر محترم Glen C. Grifin M.D ہیں' جو کہ برگھم ینگ یونیورسٹی کے سکول آف فیملی کے ممبر اور امریکا کے فیملی لیگ نامی تنظیم کے صدر ہیں اور جنھوں نے بچے کی تربیت میں خاندان کے کردار پر کتاب بھی لکھی ہے' جس کا نام It Takes a Parent To Raise a Child ہے۔

Marriage And Families یعنی ''شادی اور خاندان'' ایسا ماہنامہ ہے جو برگھم ینگ یونیورسٹی کا سکول آف فیملی لائف نامی ڈیپارٹمنٹ شائع کرتا ہے۔ ہمیں اُس کا دورہ کرایا گیا اور بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکا میں خاندان کے موضوع پر پورا ایک بڑا یونیورسٹی کا شعبہ قائم ہے اور اُس میں شادی شدہ نوجوانوں کو داخلے میں ترجیح اور اُن کو بچوں کے لیے خصوصی مراعات دی جاتی ہیں۔ اِس ماہنامے کے ذریعے نوجوان شادی شدہ جوڑوں، شوہروں، بیویوں، والدین، پیشہ ور ماہرین، مثلاً اساتذہ، ماہرین نفسیات، ڈاکٹروں، سوشل ورکروں، وکلا اور صحت کے کارکنوں کو خاندان اور شادی کی اہمیت کے بارے میں راہ نمائی دی جاتی ہے۔

ان کے ادارتی بورڈ کے اراکین میں کئی مذاہب کے لوگ شامل ہیں، لیکن اُن سب کے درمیان مشترکہ بات ''روایتی خاندان کے احترام'' کا نظریہ ہے۔

ماہنامہ ''میرج اینڈ فیملیز'' کا اصل مقصد یہ ہے کہ خاندانوں کو مضبوط کیا جائے، بغیر کسی معذرت کے ہمارا نام ہی میرج (شادی) سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے کہ جسے بہت سے لوگ نظرانداز کرتے ہیں اور آج کل اِسے کوئی بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہے، تاہم شادی اور وفاداری لازمی عناصر ہیں، ایک صحت مند معاشرے میں اختیاری معاملہ نہیں رہا؟ اس لیے ہم ایسی تدوین آپ کے سامنے لاتے ہیں جس میں قابلِ اعتماد اعداد وشمار شامل کیے جاتے ہیں اور

ان کے ذریعے خاندان، خاندانی اقدار اور دیگر مصدقہ مثبت روایات کو تقویت ملتی ہے۔

اس ماہنامے کے اصل مقصد کے بارے میں بتایا گیا کہ خاندان کو بطور ادارہ معاشرے میں مضبوط کیا جائے اور شادی کو قابلِ فخر کارنامہ قرار دے کر اِس کے پائیدار اور وفا سے مضبوط رشتے کو مستحکم کرنے کے لیے کام کیا جائے۔ ایک صحت مند معاشرے کے قیام کے لیے شادی اور وفاداری لازم وملزوم عناصر ہیں اور اِس میں مصدقہ اطلاعات اور قابلِ اعتماد اعداد وشمار شائع کیے جاتے ہیں تاکہ خاندان، خاندانی اقدار، شادی اور وفاداری کی روایات کو تقویت مل سکے۔